ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اردو افسانے میں تقسیمِ ہند کے فسادات کی جھلکیاں

GLIMPSES OF THE RIOTS OF THE PARTITION OF INDIA IN URDU SHORT STORY

Dr. Uzma Noor
Govt Girls High School ARL Morgah Rawalpindi
Dr. Zonera Batool
EST Government Comprehensive Girls Higher Secondary School Faisalabad
Dr. Muhammad Rahman
Assistant Professor Department of Urdu Hazara University Mansehra
Corresponding Author. (drmrehman75@gmail.com)

Abstract
The year of the Partition of India holds special significance in the history of India. In 1947, India was freed from the chains of slavery after a long time, but at the same time, the events of the Partition of India had created a strange and mournful atmosphere. The world of grief and anger was that man had forgotten the distinction between good and evil. This was the reason why the dawn of independence brought bloodshed and destruction, migration and riots, religious hatred and inhumane incidents.
The event of the Partition of India itself was a great tragedy, and its severe reaction came in the form of riots and the story of killing and destruction was created that has stained the pages of history. This is why Faiz Ahmad Faiz has called it a "morning after the night"
The impact of such critical conditions was visible in all spheres of human life. Its profound effects were also seen in the field of literature. Be it poems or prose, novels or short stories, a series of writings on partition and riots began. Our writers were not only recording the bloody story of them with their pens, but were also doing the work of educating the mind with their writings. This paper is written in these scenario.

Key Words: *Partition of India, 1947, mournful atmosphere, world of grief, Faiz Ahmad, "morning after the night".*

برصغیر کی تقسیم ایک ایسا جانکاہ حادثہ تھا جس نے ہر خاص و عام کو متاثر کیا۔ لکھاری چوں کہ معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے اس لیے وہ ہر حادثے کو کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اگرچہ فسادات تو اس خطے کا خاصہ رہے ہیں لیکن تقسیم کے برے اثرات نے ہر لکھاری کو رلا دیا۔ اس حوالے سے لکھے گئے افسانوں کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ ان افسانوں کے حوالے سے ذیل میں چند ایک افسانوں پر تبادلہ خیال کیا جائے گا۔

منٹو نے تقسیمِ ہند کے حوالے سے جو افسانے لکھے اُن میں "ٹھنڈا گوشت" سرِ فہرست ہے۔ یہ منٹو کا خاصا متنازعہ افسانہ رہا ہے۔ اسی افسانے کی وجہ سے منٹو پر پاکستان میں مقدمہ چلا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس میں جنسی پہلو نمایاں کیا گیا ہے۔ بہر حال ہم افسانے کا تقسیمِ ہند کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔ کہانی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ ہی فسادات شروع ہو گئے تھے۔ ایک کردار ایشر سنگھ آس پاس کے کمزور مسلمانوں کو قتل کرتا پھر رہا ہے۔ ایک جگہ وہ اپنے اس عمل پر فخریہ انداز میں کہتا ہے:

"بھینی یا میں چھ آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں۔۔۔۔ اسی کرپان سے۔"(ا)

ایشر سنگھ کی اس خون ریزی کی وجہ سے وہ اپنے گھر والی سے جسمانی تعلق قائم رکھنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے جس سے ان ان کی ازدواجی زندگی مسائل کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے گھر والی کلونت کور الیشر سنگھ سے اُس گرم جوشی سے محروم پا کر چراغ پا ہو جاتی ہے اور ہر وقت اُس کو قتل کرنے کی خواہاں رہتی ہے۔

اُسے شک ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اور عورت کے ساتھ ملوث ہو چکا ہے۔ بالآخر کلونت کور کو موقع ہاتھ آ جاتا ہے اور وہ اس پر حملہ کر دیتی ہے۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"آن کی آن میں لہو کے فوارے پھوٹ پڑے۔ کلونت کور کی اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو اس نے وحشی بلیوں کی طرح ایشر سنگھ کے کیس نوچنے شروع کر دیئے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی نامعلوم سوت کو موٹی موٹی گالیاں دیتی رہی۔ ایشر سنگھ نے تھوڑی دیر کے بعد نقاہت بھری التجا کی۔
جانے دے اب کلونت، جانے دے۔۔۔"
اس کی آواز میں بلا کا درد تھا۔ کلونت کور پیچھے ہٹ گئی۔" (۲)

اسی دوران ایشر سنگھ نے اسے ایک ایسا واقعہ سنایا کہ کلونت کلور کی روح کانپ گئی۔ ایشر سنگھ نے یہ بھی بتایا کہ کلونت کلور کے ساتھ اس کی جنسی زندگی میں ٹھنڈا پن بھی اسی وجہ سے ہے۔ چوں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی کرپان سے قتل کرتا تھا۔ اس اثنا میں اُسے ایک مسلمان گھرانا ملا جس میں چھ مرد اور ایک نرم و نازک دوشیزہ تھی۔ ایشر سنگھ نے سب مردوں کو قتل کر دیا لیکن دوشیزہ کو دیکھ کر اس کی نیت بدل گئی اور اس نے اُسے قتل کرنے سے پہلے اس سے ریپ کا ارادہ کیا۔ وہ اسے ایک جگہ لے کر گیا۔ جب اُس نے اس کا ریپ کیا تو اس عمل کے دوران یہ محسوس کر کے اُس کی روح کانپ گئی کہ وہ دوشیزہ پہلے ہی مر چکی تھی۔ اس واقعے کا ایشر سنگھ پر بہت برا اثر ہوا اور ذہنی توازن کھو بیٹھا۔

تقسیم ہند کے فسادات کے حوالے سے منٹو کا افسانہ "کھول دو" بھی اہم ہے جس میں سکینہ اور اس کے باپ سراج الدین کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ لوگ بھی فرقہ وارانہ فسادات کا شکار ہیں اور پاکستان کی جانب سفر کر رہے ہیں۔ راستے میں جیسا کہ عیاں ہے کہ اُن پر حملہ ہو گا تو ہو جاتا ہے جس میں سراج الدین کی بیوی موقع پر ہی ہلاک ہو جاتی ہے جب کہ اس کی بیٹی سکینہ اس پکڑ دھکڑ میں گم ہو جاتی ہے۔ سراج الدین اس کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہا لیکن اُسے نہ ملنا تھا سو نہ ملی۔ اُس حوالے سے سراج الدین نے اپنی یادداشت پر زور دیا۔ اقتباس یوں ہے:

"پورے تین گھنٹے تک وہ سکینہ۔۔۔۔ سکینہ پکارتا کیمپ کی خاک چھانتا رہا مگر اسے اپنی جوان بیٹی کا کوئی پتا نہ چلا۔ چاروں طرف ایک دھاندلی سی مچی ہوئی تھی، کوئی اپنا بچہ ڈھونڈ رہا تھا، کوئی ماں، کوئی بیوی اور کوئی بیٹی۔
سراج الدین تھک ہار کر ایک طرف بیٹھ گیا اور اپنے حافظے پر زور دے کر سوچنے لگا کہ سکینہ اس سے کب اور کہاں جدا ہوئی۔" (۳)

سراج الدین مختلف کیمپوں میں لوگوں سے ملتا رہا اور اُنھیں اپنی بیٹی کے بارے میں مختلف طرح کی نشانیاں بتاتا رہا۔ وہ تفصیل یوں بیان کرتا ہے:

"رنگ گورا ہے اور بہت خوب صورت ہے وہ۔۔۔ مجھ پر نھیں اپنی ماں پر ہے۔۔۔۔ عمر سترہ کے قریب ہے۔۔۔۔ آنکھیں بڑی بڑی، بال سیاہ، داہنے گال پر موٹا سا تل۔۔۔ میری اکلوتی بیٹی ہے۔" (۴)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منٹو نے جس لڑکی کا ناک نقشہ بیان کیا ہے وہ ایک خیالی تصویر ہی ہو سکتی ہے اور منٹو جیسا تخلیق کار اسے مزے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ بہر حال سراج الدین کو بتا دیا جاتا ہے کہ وہ ایک دن کھیت میں جا رہی تھی کہ چند درندہ نما لوگ اُسے بھلا پھسلا کر اپنے ساتھ کیمپ لے گئے اور اُس کے ساتھ درندگی کی انتہا کی۔ وہ اس قدر تنگ آ گئی تھی کہ جان چھڑانے کے لیے اُن کی ہر بات مانتی رہی۔ وجہ یہ تھی حد درجہ تنگ آ گئی تھی۔ بعد میں اُسے ریلوے سٹیشن کے قریب چھوڑ دیا جاتا ہے جہاں سے چند رضا کار اُسے واپس ایک اور قریبی کیمپ میں لے گئے۔ اس طرح بعد میں سراج الدین کو ملتی ہے اور وہ خوشی سے چلا اٹھتا ہے کہ اس کی بیٹی زندہ ہے۔

تقسیم ہند اور فسادات کے حوالے سے منٹو کا ایک اور افسانہ "موذیل" بھی ہے۔ موذیل ایک یہودی لڑکی ہے۔ یہ لڑکی آزاد خیال ہے۔ اس کا قد لمبا اور نین نقوش دل کش ہیں۔ اس کے ہزار دیوانے اور عاشق ہیں۔ ان میں سے ایک سکھ ترلوچن نام کا بھی ہے جو موذیل کو بھی اچھا لگتا ہے لیکن وہ خود کو ذرا ریزرو رساد کھا کر اس سے دور رہتی ہے۔ بعد میں ترلوچن کے اصرار پر اُسے کہتی ہے کہ وہ اپنے بال کاٹ لے تو وہ اس سے شادی کرے گی۔ ترلوچن اس کی بات

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

مان لیتا ہے اور اپنے بال قربان کر لیتا ہے۔ اس دوران موذیل کو ایک دولت مند دوست مل جاتا ہے اور وہ ترلوچن کو بیچ دوراہے میں چھوڑ کر اُس کے ساتھ دیوالی کی تقریب میں ایک ہفتے کی لیے چلی جاتی ہے اور ترلوچن کا مذاق اڑاتی ہے۔ ترلوچن اس واقعے سے بہت زیادہ دل برداشتہ ہو جاتا ہے، لیکن آہستہ آہستہ سنبھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ بعد میں اُسے اپنے علاقے کی خوب صورت لڑکی کرپال کور مل جاتی ہے اور ان دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ اس دوران تقسیمِ ہند اور فسادات شروع ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"۱۲ اگست کا دن میرے سامنے منایا گیا۔ پاکستان اور بھارت دونوں آزاد ملک قرار دیئے گئے
تھے۔ لوگ بہت مسرور تھے۔ مگر قتل اور آگ کی وارداتیں باقاعدہ جاری تھیں۔"(۵)

بعد میں موذیل کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ بہر حال ترلوچن اور موذیل فسادات میں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ کرپال کور بھی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

تقسیم ہند کے فسادات اور ہجرت کے مسائل سے متاثرہ افسانہ نگاروں میں سے ایک اہم نام کرشن چندر کا بھی ہے۔ اگر چہ وہ ایک رومان پسند افسانہ نگار ہیں مگر ساتھ ساتھ تقسیم اور فسادات کی آگ کے شعلوں کی تپش سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ اُن کے افسانوی مجموعے "ہم وحشی ہیں" کے متعدد افسانوں میں فسادات کا دکھ اور فرقہ واریت کے مظاہر اپنے پورے جوبن پر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ان فسادات کا ذمہ دار سیاست دانوں، سرمایہ داروں اور مذہبی انتہا پسندی کو قرار دیا ہے کہ ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے یہ سارے فسادات اور تکالیف بہم پہنچائی گئیں۔

کرشن چندنے ویسے تو بہت سارے افسانوں میں اس سانحۂ عظیم کے حوالے سے کہاناں لکھی ہیں لیکن چند نمایاں افسانوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

"جانور" جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے، فرقہ وارانہ فسادات اور تقسیمِ ہند سے متعلق ہے۔ اس افسانے میں کئی کردار ہیں جو تقسیمِ ہند کی تکالیف سے چکنا چور ہیں۔ ایک کردار کہانی کار خود ہے جو ان واقعات کو سنتا ہے۔ دیگر کرداروں میں دیس راج، سردار سوڈا سنگھ اور احمد حمید شامل ہیں۔ دیس راج اپنے بچوں سمیت تقسیم کے دوران اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ اٹھتا ہے۔ راستے میں بلوائیوں کے ہاتھوں اپنے اکلوتے بیٹے کو دریا برد کر دیتا ہے اور اپنی بیوی سمیت محفوظ مقام پر منتقل ہو جاتا ہے اور پھر ساری عمر اپنے اکلوتے بیٹے کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے۔ افسانے میں بیان کیا گیا دوسرا کردار سردار سوڈا سنگھ ہے جو گاؤں کے ایک زمین دار کا بیٹا ہے۔ وہ فسادات کے دنوں میں ایک پل پر بیٹھ کر مسلمانوں کو قتل کرتا ہے اور جو بچ جاتے ہیں ان کو آگ میں جھونک کر جلا دیتا ہے۔ ایک بار وہ ایک موچی کے نومولود بیٹے کو آگ میں پھینک کر چلا گیا۔ اگلے دن اُس نے یہ دیکھ کر خوف سے جھرجھری سی لی کی وہ بچہ آدھ جلا آگ سے پرے ایک جگہ پڑا تھا۔ سوڈا سنگھ پر اس واقعے کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اس کے بعد کہیں بھی راہ چلتے اچانک اپنا کان پکڑ کر کہتا کہ میرا کان جل گیا ہے اور کہیں پانی سے دھو دیتا۔ یوں وہ سودائی سا ہو گیا تھا۔ تیسرا کردار احمد حمید جو کانگریس کا سرکردہ نمائندہ ہے لیکن فسادات شروع ہوتے ہی اُس کی بیوی کو گاؤں میں بے دردی سے مارا جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ کاغذ کا ٹکڑا پڑا ہے جس پر لکھا ہے "نواکھاجی کا بدلہ"۔ اس پر احمد حمید غصے سے پاگل ہو جاتا ہے کہ کانگرس میں میری خدمات کا مجھے کیا فائدہ ہوا۔ بعد میں اس واقعے کی وجہ سے نیم پاگل ہو کر چلانے لگتا ہے۔ یوں ایک ابدی غم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

کرشن چندر کا ایک اور مشہور افسانہ "اندھے" ہے، جس میں واحد متکلم کے منہ سے ساری کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس افسانے میں تقسیمِ ہند کے فسادات اور مذہبی جنونیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مرکزی کردار بہار کے صوبے میں رہتا ہے۔ اس کے گھر والوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا ہے تو وہ اپنے محلے کے ہندو ہمسایوں لالہ کھتری رام، اس کی بیوی اور نوجوان بیٹی سے بدلہ لیتا ہے اور ان تینوں کو آگ میں جھونک کر بدلہ لیتا ہے۔ چوں کہ یہ ایک غلط بات تھی۔ اس وجہ سے یہ آگ پھیلتی گئی اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے کئی خاندان اس کا لقمہ بنے۔ رام نرائن برہمن، اس کی ماں اور بیوی کو چھرا گھونپ کر مار دیا جاتا ہے۔ متکلم کے چھوٹے بیٹے کو بھی نہیں چھوڑا گیا، کہ یہ سانپ ہے بعد میں بڑا ہو کر ڈس لے گا۔ متکلم نے اپنی مردہ بیوی عائشہ کی لاش کے سامنے قسم کھائی کہ میں آپ سب کا بدلہ لوں گا۔ وہ اس قدر غصے میں تھا کہ اپنے چچا کی آواز بھی سُنی اَن سنی کر دی۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"پولیس کی ماں کی۔۔۔۔۔ اور پولیس کی بہن کی۔۔۔۔۔ میں اس وقت سیدھا شاہ عالمی جارہا ہوں
کسی میں ہمت ہے تو مجھے روک لے۔ اللہ اکبر۔"(٦)

جیسا کہ افسانے کے عنوان "اندھے" سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جب انسان پر مصیبت آتی ہے، بالخصوص ایسے وقت جب اس کا گھر، بیوی، بچے، ماں باپ غرض سب کچھ جلا دیا جائے تو وہ اندھا ہی ہو جاتا ہے۔ اُسے کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں رہتی کہ اس کے پاگل پن کا کیا نتیجہ ہو گا۔ مذہبی بنیاد پرستی، تعصب اور تنگ نظری جیسے موضوعات سے لبریز یہ کہانی کرشن چند کے مقبول افسانوں میں شمار ہوتی ہے۔

عصمت چغتائی کے افسانوں میں بھی فسادات اور ہجرت کے حوالے سے کافی مواد ملتا ہے۔ انھوں نے سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے اہم افسانے لکھے۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں "کلیاں"، "چوٹیں"، "ایک بات"، "چھوئی موئی" اور "دو ہاتھ" شامل ہیں۔ ان کے تقریباً تمام ہی افسانوں میں شہری زندگی کا تصنع، بے اعتنائی، عورت اور مرد کے درمیان پائی جانے والی رسہ کشی اور دیگر موضوعات شامل ہیں۔ عصمت کے افسانوں پر اگرچہ ترقی پسندوں کا اثر پایا جاتا ہے لیکن وہ راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر کی طرح رومانی خیالوں میں گم نہیں ہوتیں بلکہ حقیقت پسندی کا افسانوی انداز برتتی ہیں۔ اگرچہ ان کے چند افسانوں پر منٹو کا بھی اثر ہے لیکن وہ ان سب کو ایک عورت کی ہی نظر سے ہی دیکھتی ہیں۔ ان کے ہاں معاشرہ اور سیاست کے موضوعات زیادہ پائے جاتے ہیں بلکہ یوں کہیں کہ یہی دو موضوعات ان کے پسندیدہ ہیں۔

عصمت چغتائی کا افسانہ "میرا بچہ" فسادات اور فرقہ واریت کے حوالے سے اہم ہے۔ رشید کو فسادات کے دوران ایک بچہ ہاتھ لگ جاتا ہے اور وہ اس کی پرورش کرنے لگتا ہے۔ جب لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے تو کوئی اسے ہندو اور کوئی کچھ اور سمجھنے لگتا ہے اور یوں اس بچے کا دھرم اور مذہب کے بارے میں الٹی سیدھی چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مولوی حضرات بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے اور ایک مولوی کہتا ہے کہ یہ ہندو بچہ ہے، اس لیے اس کو مت رکھو۔ ملاحظہ کیجیے:

> "جو کبھی فیصلہ ہندوؤں کے موافق ہوتا تو فوراً اسلامی جھنڈے ہوا میں لہرانے لگتے۔ اللہ اکبر کے غار شگاف نعروں سے سوئی قوم کو جگا دیا جاتا۔ روپیہ کی بوچھاڑ ہوتی اور بچہ دوسری پارٹی کی طرف منتقل ہو جاتا لیکن فوراً ہی تلک دھاری پنڈت اور قوم کے موٹے موٹے لیڈر آکاش دیوتاؤں کو تڑپ تڑپ کر پکارتے اور بچہ پولو کی گیند کی طرح کبھی ادھر اور کبھی اُدھر لڑھکا دیا جاتا۔"(۷)

افسانے کے آخر میں رشید اور اس کی بیوی نے عدالت میں یہ بیان دے کر سب غباروں سے ہوا نکال دی کہ ہم ہی اس کے ماں باپ ہیں۔

احمد ندیم قاسمی اردو افسانے میں ایک منفرد نام ہیں۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک سے ازل تا ابد وابستگی ظاہر کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔ لیکن یہ بات کسی دل چسپی سے خالی نہیں کہ اُن کے ہاں رومان اور حقیقت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے مگر باوجود اس کے انھوں نے اس تحریک کی صرف خوبیوں سے ہی استفادہ کیا۔ خامیاں انھوں نے کبھی بھی اپنی تخلیقات میں ظاہر نہیں کیں۔

اُن کے افسانے "پرمیشر سنگھ" اور "نیا فرہاد" میں تقسیم اور فرقہ وارانہ فسادات کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ "پرمیشر سنگھ" افسانے کا مرکزی کردار پرمیشر سنگھ فسادات کے دوران اپنا بیٹا کھو دیتا ہے۔ اُس کے بیٹے کو اغوا کیا جاتا ہے۔ جب وہ امرتسر پہنچ جاتا ہے تو اُسے ایک مسلمان بچہ اختر مل جاتا ہے۔ حیرت انگیز طور پر اختر میں پرمیشر سنگھ کے بچے جیسی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ پانچ سال کا تھا اور اختر بھی لگ بھگ اسی عمر کا ہوتا ہے۔ اختر کی شکل بھی اُس کے بیٹے کی طرح کی تھی۔ پرمیشر سنگھ کے بیٹے کا نام کرتار تھا۔ جب تقسیم کی آگ تھوڑی ٹھنڈی ہوئی تو پرمیشر سنگھ نے اختر کو اپنے والدین کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ سرحد پر آیا تو سپاہیوں نے اختر کو واپس بھگا دیا۔ پرمیشر سنگھ نے لاکھ سمجھایا کہ یہ میرا بیٹا نہیں لیکن سپاہیوں نے اُس کی ایک نہ سنی اور گولی چلائی جو پرمیشر سنگھ کو لگی۔ بعد میں اُس نے تکلیف کی حالت میں بہ مشکل سپاہیوں کو یقین دلایا کہ:

> "میں تو اختر کو اس کا مذہب لوٹانے آیا تھا۔"(۸)

افسانے میں پرمیشر سنگھ ایک آفاقی محبت کے کردار کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

"نیا فرہاد" فرقہ وارانہ فسادات کے موضوع پر لکھا گیا اہم ترین افسانہ ہے۔ اس میں ایک افواہ کے نقصانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دلی کا انتقام لاہور اور لاہور کا انتقام دلی میں لیا جانا معمول کی بات تھی۔ اسی طرح امرتسر کا لاہور اور لاہور کا انتقام امرتسر میں لینے کو بہادری سمجھا جاتا تھا۔ افسانے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک مسافر گزرتے ہوئے گاؤں والوں سے لاہور میں فسادات اور فرقہ واریت کے موضوع پر کچھ بے سروپا بات کر کے گزر جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گاؤں فسادات میں ڈوب جاتا ہے۔

وہ کہتا ہے:

"اس وقت لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر مسلمانوں کی لاشیں بچھا دی گئی ہیں۔ ان پر سے سکھوں اور ہندوؤں کی موٹریں اور لاریاں گزر رہی ہیں اور ان پر کودا اور ناچا جا رہا ہے اور لارنس باغ میں ایک بہت بڑی دیگ گاڑ دی گئی ہے جس میں تیل کڑ کڑا رہا ہے اور شیر خوار مسلمان بچے تلے جا رہے ہیں۔۔۔ مسلمان عورتیں؟ اس بارے میں نہیں پوچھتے تو بہتر تھا۔ میرے دوست اس بارے میں صرف یہ کہہ سکوں گا کہ دنیا کے تمام مسلمان نوجوانوں کو اپنے منہ پر اپنے توے کی کالک مل لینی چاہیے۔"(۹)

بعد میں اس گاؤں میں ہندوؤں سے "لاہور" کے ظلم کا بدلہ لیا گیا۔ کئی کئی خاندان اجڑ گئے، بچے مار دیئے گئے اور عورتوں کے ساتھ بدسلوکیاں کی گئیں، کئی جوان مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ ایک آگ تھی جو سب کو بھسم کر رہی تھی۔ بعد میں چند ہفتوں بعد پتہ چلا کہ یہ تو ایک افواہ تھی، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

الغرض اوپر کی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اردو افسانے پر فسادات کے حوالے سے یہ افسانے اہم ہیں۔

حوالہ جات

۱۱۔ سعادت حسن منٹو، منٹو کے معتوب افسانے، علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ص ۴۲
۲۔ ایضاً، ص ۴۴
۳۔ ایضاً، ص ۶۳
۴۔ ایضاً، ص ۶۴
۵۔ ایضاً، ص ۳۵
۶۔ کرشن چندر، ہم وحشی ہیں، اظہار سنز، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۵
۷۔ عصمت چغتائی، عصمت کے منتخب افسانے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۷۶
۸۔ احمد ندیم قاسمی، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۲۰۱
۹۔ ایضاً، ص ۲۳۰